سلسلہ اشاعت 18

موجودہ دور میں دینی مدارس کی ضرورت؟



از

علامہ محمد رضوان احمد نقشبندی

مہتمم جامعہ انوار القرآن

جامعہ انوار القرآن و جامع مسجد مدنی

گلشن اقبال بلاک 5، کراچی فون: 021-34961878

بسمہ تعالیٰ

موجودہ دور میں دینی مدارس کی ضرورت؟

وجہ تالیف

علمائے دین اور دینی مدارس کے نام سے سترھواں رسالہ جب ضبط تحریر میں لایا گیا تو بعض احباب نے اُسکے مطالعہ کے بعد یہ مشورہ دیا کہ اس میں علمائے دین کے بارے میں تو کافی تفصیل سے لکھا گیا ہے مگر مدارس دینیہ سے متعلق کچھ تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر مدارس دینیہ کے بارے میں بھی مزید تفصیل ہوتی تو بہت اچھا ہوتا۔ احباب کا شکوہ بجا ہے۔ مگر رسالے کا حجم اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ اُس میں مزید اضافہ کیا جاتا۔ لہٰذا مخلصین کے مشورہ اور موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر خیال پیدا ہوا کہ اس عنوان پر کیوں نہ علیحدہ سے ایک مستقل رسالہ تالیف کیا جائے۔ لہٰذا توفیقِ الٰہی متوجہ ہوئی اور زیرِ نظر عنوان پر ایک نیا رسالہ تحریر میں آیا جو قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔

مدارس دینیہ مسلمانوں کی علمی، فکری اور دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کا وہ واحد انتظام ہے کہ جسکا کوئی دوسرا متبادل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری تاریخ کا کوئی زمانہ ان سے کبھی خالی نہیں رہا۔ مسلم معاشرہ کے قیام سے لے کر آج تک ان کا فعال وجود قائم ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد نبوی شریف کی بنیاد رکھنے کے ساتھ ہی تعلیم و تعلم کا باقاعدہ اہتمام فرما دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے مسجد نبوی کے ایک چبوترے کو جس پر چھپرا پڑا ہوا تھا، ایسے تمام لوگوں کے لیے خاص کر دیا تھا جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور اُن کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، تاکہ وہ یہاں رہ کر عبادت کے ساتھ ساتھ علم دین کے حصول میں پوری طرح مشغول رہ سکیں۔ ان اصحاب کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ کبھی تین چار سو تک پہنچ جاتے۔ یہ ذوق وشوق کے ساتھ عبادت کرتے۔ جس کام کے لیے حکم دیا جاتا بجالاتے، جنگی مہمات میں حصہ لیتے، اور اُس کے بعد اپنا سارا وقت علم کے حصول میں صرف کر دیتے۔ قرآنی آیات کو یاد کرنا اور احادیث مبارکہ کی حفاظت کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اہلِ

مدینہ کے باغات جب پھل لاتے تو کھجوروں کے خوشے مسجد شریف کے گوشے میں لٹکا کر چلے جاتے۔بس انہی کھجوروں پر ان اصحاب کا گزارا ہوتا تھا۔ مدینہ میں ان سے زیادہ تنگ دست اور محتاج کوئی نہ تھا۔ان کی محتاجی اور مسکینی کا کچھ حال حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

لقد رأیت سبعین من اصحاب الصفة، ما منهم رجل علیه رداء، اما ازارٌ وا ما کساءٌ قدر ربطوافی اعناقهم، فمنها ما یبلغ نصف الساقین، ومنها ما یبلغ الکعبین فیجمعُه' بیدہٖ، کراهیة ان تری عورته' (بخاری/۴۴۲)

میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا،ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے پاس اوپر کے بدن کو ڈھانپنے والی چادر ہو، یا تہبند ہوتا تھا یا پورے بدن پر اُوڑھنے والی چادر ہوتی تھی۔وہ اُس چادر کو اپنی گردن میں باندھ لیتے تھے۔بعض کی چادر نصف پنڈلیوں تک پہنچتی اور بعض کی ٹخنوں تک، پس وہ اُس چادر کو اپنے ہاتھ سے سمیٹ لیتے تھے تاکہ اُنکا ستر نہ کھل جائے۔

یہ مکتبِ نبوت کے اولین تلامذہ تھے، جنہیں دنیا سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ جبکہ دیگر اصحاب تجارت اور کھیتی باڑی وغیرہ بھی کرتے تھے۔مگر یہ حضرات تجارت، کھیتی باڑی اور دنیا کے بکھیڑوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ان کا صرف ایک ہی مشغلہ تھا کہ ہمہ وقت حضرت رسالت مآب ﷺ کی صحبت میں حاضر رہنا تاکہ زیادہ سے زیادہ علم وحکمت کے موتی اپنے دامن میں جمع کرلیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

''لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت احادیث بیان کرتا ہے کیوں نہ ہو۔**ان اخو اننا من المهاجرین کان یشغلهم الصفق بالاسواق وان اخواننا من الانصار کان یشغلهم العمل فی اموالهم، وان اباهریرة کان یلزم رسول الله (ﷺ)بشبع بطنه ویحضر مالا یحضرون ویحفظ مالا یحفظون** (بخاری/۱۱۸)

''بے شک مہاجرین میں ہمارے بھائی بازاروں میں سودا کرنے میں مصروف رہتے تھے اور انصار میں سے ہمارے بھائی کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے اور بے شک ابو ہریرہ بھرے

پیٹ کے ساتھ رسول اللہ (ﷺ) کی صحبت ومعیت کے ساتھ چمٹا رہتا تھا۔اور ان مواقع پر حاضر ہوتا تھا جب وہ حاضر نہیں ہوتے تھے۔اور وہ ان احادیث کو یاد رکھتا تھا، جن کو وہ یاد نہیں رکھتے تھے۔'' آپ نے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث روایت کیں۔اسی لیے آپ کو کثیر الروایۃ کہا جاتا ہے یعنی صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ احادیث کو روایت کرنے والے۔

یہ تاریخ انسانی کا پہلا رہائشی مدرسہ تھا۔ڈاکٹر حمید اللہ نے اسے دنیا کی پہلی ریزیڈینشیل یونیورسٹی قرار دیا۔قرآن حکیم نے ان کی بے سروسامانی اور فقر واحتیاج کے باعث اُنہیں راہِ خدا کے اولین فقراء قرار دیا اور صاحبانِ ثروت کو ان کی مدد کرنے کا حکم فرمایا۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحصِرُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لاَ یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْباً فِیْ الأَرْضِ یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ أَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُہُم بِسِیْمَاہُمْ لاَ یَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافاً ط (البقرۃ / ۲۷۳)

(خیرات) ان فقیروں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں۔ وہ (روزی کمانے کے لیے) زمین میں چلنے پھرنے سے عاجز ہیں۔ ناواقف شخص انہیں اُنکی سفید پوشی کے باعث مالدار خیال کرتا ہے (مگر) آپ اُنہیں اُنکی صورت سے پہچان لیتے ہیں۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

مسجد کے ساتھ مدرسہ کا قیام نہ صرف مسلم معاشرہ کی علمی وفکری ضرورت کو پورا کرنے کا اہتمام ہے بلکہ جملہ عبادات کی ھیئت وحقیقت کو محفوظ رکھنے کی گارنٹی بھی ہے۔ ہر عبادت دراصل اپنے پیچھے ایک علمی ڈسکورس کی حامل ہے۔ یہ ڈسکورس اُس عبادت کی ھیئت وحقیقت اور روح و فلسفہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ مدارس میں پڑھایا جانے والا نصاب اس پورے ڈسکورس کی حفاظت کا ضامن ہے۔اس نصاب کو وضع کرتے وقت یہ بات پیشِ نظر رکھی گئی ہے کہ دین کے جملہ عقائد و احکام اور عبادات ومعاملات وغیرہ کا علم اور اُن کے لیے استدلال واستنباط کے اصول اور طریقوں کا جاننا اگلی نسلوں تک منتقل ہوتا رہے۔ چنانچہ یہ ایک ایسی محکم دینی روایت ہے کہ جس پر دین کی بقا اور استحکام کا دار ومدار ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ کا کوئی دور مدارس کے وجود سے خالی نہیں رہا۔جس طرح آپ

(ﷺ) کے ہاتھوں قائم ہونے والی پہلی مسجد دنیا میں مساجد کی روایت کا سب سے پہلا ماڈل ہے اسی طرح آپ کے دستِ اقدس سے قائم ہونے والا صفہ کا پہلا مدرسہ دنیا بھر میں مدارس کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ مساجد کی تاریخ جتنی قدیم ہے مدارس کا سلسلہ بھی اُتنا ہی پرانا ہے۔ ایک ہماری عبادتوں کا مرکز ہے تو دوسرا ہمارے علوم وفنون کا محور۔

اللہ کے رسول (ﷺ) نے فرمایا:

خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم

بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اُن لوگوں کا جو ان سے ملے ہوئے ہیں پھر اُن لوگوں کا جو اُن سے ملے ہوئے ہیں۔

اس حدیث میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کو بہترین قرار دیا گیا ہے۔ ان تینوں زمانوں کے بہترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں زمانے انوارِ رسالت کی تجلیات سے معمور تھے۔ نفحاتِ رسالت کی خوشبوان زمانوں میں پھیلی ہوئی تھی اور آپ (ﷺ) کا قرب انہیں حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان تینوں میں پہلے کو دوسرے پر اور دوسرے کو تیسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ قربِ رسالت کے باعث خیر و برکت کا جو سلسلہ ان تینوں زمانوں کو میسر آیا اُس کا ظہور علمی و عملی شان وشوکت کی صورت میں پایا گیا۔ علم کی فراوانی کا عالم یہ تھا کہ ہر طرف قرآن و حدیث کی تعلیمات کا دور دورہ تھا علم کے بغیر بزرگی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ علم کی نشر واشاعت لوگوں کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ معاشرے میں احادیث ہوا کی مانند پھیلی ہوئی تھیں۔ جس کے پاس علم کی کوئی بات یا کوئی حدیث ہوتی وہ اُس کو دوسروں تک پہنچا دینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرف علماء و محدثین تھے۔ جن میں سے ہر ایک چلتا پھرتا مکتب تھا۔ وہ جہاں بیٹھ جاتے وہ جگہ خود بخود ایک مکتب یا درسگاہ میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ اس لیے اُس زمانے میں مدارس قائم کرنے کے لیے علیحدہ سے عمارتوں کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور نہ کسی نصاب تعلیم کی حاجت تھی۔ مگر بعد کے ادوار میں جب علم کا رجحان ویسا نہیں رہا تو مدارس دینیہ کے لیے باقاعدہ عمارتیں بننے لگیں اور نظام تعلیم ترتیب دیا گیا۔ ان مدارس کے قیام وانصرام میں سلاطینِ وقت اور اہلِ اقتدار بھی حصہ لیتے رہے۔ اس کی

بہترین مثال نظام الملک طوسی کی ہے۔ سلجوقیوں کے دور میں تیس سال تک وزارت عظمٰی کے منصب پر فائز رہنے والا یہ شخص انتہائی پاکباز، نیک سیرت اور علم پرور انسان تھا۔ اُسے تعلیم سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ اُس نے پہلی دفعہ تعلیمی بجٹ کا تصور پیش کیا اور مملکت کے طول وعرض میں مدارس کا جال بچھا دیا۔ اردو دائرۃ المعارف کے مطابق بغداد، بلخ، نیشاپور، ہرات، اصفہان، بصرہ، طبرستان اور موصل وغیرہ میں مذہبی اوقاف قائم کیے۔ اُسکی قائم کردہ بڑی بڑی جامعات میں نظامیہ نیشاپور اور نظامیہ بغداد تاریخ میں سب سے زیادہ شہرت کی حامل ہیں۔

نظامیہ بغداد کو یہ شرف حاصل ہے کہ علامہ ابو اسحاق شیرازی جیسے استاذ الاساتذہ اُسکے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ بعد ازاں حضرت امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ)۔ ابن الخطیب تبریزی (علیہ الرحمۃ) اور مشہور محدث ابن جوزی جیسے اساطینِ علم اس منصب پر فائز رہے۔

ابنِ جوزی کے زمانے میں حضرت شیخ سعدی (رحمۃ اللہ علیہ) یہاں طالب علم تھے۔ اُنہی کے بقول اس وقت نظامیہ کی شان وشوکت کا عالم یہ تھا کہ یہ ایک پُر شکوہ عمارت تھی، جس میں اتنے کمرے تھے کہ وہ پورا ایک شہر معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ہال(Hall) میں دس ہزار آدمیوں کی گنجائش تھی۔ سنہری منقش دیواریں، قالینوں سے سجے ہوئے فرش، صاف ستھرا اور پُرسکون ماحول تھا۔

مدارس دینیہ کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ماضی میں بڑے پیمانے پر سیاسی اور جغرافیائی تبدیلیوں کے باوجود ان مدارس میں درس وتدریس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوتا تھا۔ بڑی بڑی سلطنتیں بنتی اور بگڑتی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ تاتاریوں کی خوفناک یلغار نے پورے عالم اسلام کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ تقریباً اَسّی 80 لاکھ لوگ قتل ہوئے۔ لاکھوں علماء شہید کئے گئے اور بیس لاکھ کتابیں دجلہ میں بہا دی گئیں جس سے دریا کا پانی سیاہ ہوگیا تھا، مگر پھر بھی مسلم سوسائٹی کے اندر اتنی سکت باقی تھی کہ وہ دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوگئی اور اپنی قوتِ تمدن، تہذیبی استحکام اور ثقافتی سالمیت کے ذریعے تاتاری حکمرانوں کو اندر سے پسپا کر کے رکھ دیا، یہاں تک کہ وہ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر جوق در جوق اسلام میں داخل ہوگئے۔

ہے عیاں فتنۂ تا تار کے افسانے سے

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے (اقبال)

تاریخ اس قسم کے انقلاب کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کرسکتی۔ مگر اس انقلاب عظیم کے پیچھے چھپے ہوئے عوامل کو بے نقاب ضرور کرسکتی ہے۔ چنانچہ ان عوامل میں سب سے زیادہ اہم رول دینی مدارس کا ہے جہاں سے علماء ومشائخ، مفکرین ومحققین اور ادباء وشعراء فوج درفوج تیار ہوکر باہر آتے تھے اور ہر محاذ پر دینی افکار اور مذہبی تعلیمات کے محافظ بن کر ڈٹ جاتے تھے۔ یہ دینی ادارے مسلم معاشرے کی گویا لائف لائن تھے۔ یہ نہ صرف اسلام کے مضبوط قلعے بن کر کام کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کی تہذیبی اقدار اور مسلم سوسائٹی کی تاریخی روایات کو بحفاظت اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ ان مدارس سے فیض حاصل کرنے والوں میں صرف علماء وفقہاء ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے صوفیاء ومشائخ بھی تھے۔

جیسا کہ تمام اولیاء کے سردار اور جملہ مشائخ کے پیشوا غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے تصوف کی راہ پر قدم رکھنے سے پہلے علم دین حاصل کیا اور بعدازاں اپنے شیخ ابوسعید مخزومی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مدرسہ میں باقاعدہ تدریس کا آغاز فرمایا۔ آپ صبح سے شام تک روزانہ خصوصاً چار مضامین تفسیر، حدیث، اختلاف مذاہب اور فن قرأت کی تعلیم دیتے تھے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ طلباء کی ضروریات کی کفالت کرتے اور اگر کوئی ناگوار بات پیش آتی تو نہایت صبر وتحمل اور کمال بردباری سے اُسے گوارا بھی فرماتے تھے۔ اس سے آپ کی نظر میں طلباء دین کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

طلباءِ دین کی ضرورت اور اہمیت کا اگر مزید اندازہ کرنا ہوتو حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مکتوب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے جو آپ نے شیخ فرید بخاری کی طرف لکھا تھا۔

آپ فرماتے ہیں:

آپ کا بزرگ مرحمت نامۂ گرامی جس سے آپ نے ہم فقراء کو نوازش فرمایا تھا اُس کے مطالعہ سے شرف حاصل کیا۔ آپ نے مولانا محمد قلیج کے خط میں لکھا تھا کہ طالب علموں اور صوفیوں

کے لیے کچھ خرچ بھیجا گیا ہے۔صوفیوں پر طالب علموں کے ذکر کو مقدم کرنا آپ کی بلند ہمت نظر میں بہت اچھا معلوم ہوا۔طالب علموں کو مقدم سمجھنے میں شریعت کی ترویج ہے۔شریعت کے اُٹھانے والے یہی لوگ ہیں،اور مصطفوی مذہب ان ہی کے ساتھ قائم ہے۔کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہ پوچھیں گے۔ (مکتوب نمبر ۴۸)

مدارس دینیہ اور عصری چیلنجز:

عالمی نظام پر مغربی طاقتوں کے غالب آجانے سے پہلے دنیائے اسلام کا تعلیمی نظام ایک ہی تھا اور فقط دینی مدارس اُس کے مراکز تھے۔مسلمانوں کے بچے ان ہی مدارس میں داخل ہوتے اور یہیں سے فارغ ہو کر نکلتے تھے،خواندگی کی شرح غالب تھی۔تفسیر،حدیث،فقہ اور عربی ادب بنیادی اور لازمی مضامین کے طور پر شامل ہوتے تھے۔مذکورہ مضامین اور دیگر مضامین میں اختصاص کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔علم کے شائقین اپنی بہترین استعداد کے ساتھ آگے بڑھتے اور اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک یا چند مضامین میں ایسا اختصاص پیدا کر لیتے تھے،جس کی مثال بعد کے ادوار میں پیش نہیں کی جاسکتی۔یہی وجہ ہے کہ تفسیر ہو یا حدیث،فقہ ہو یا اصول فقہ، صرف ونحو ہو یا ادب وشاعری،منطق وفلسفہ ہو یا ہیئت ریاضی غرض ہر مضمون میں ماہرین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔نیز ان مضامین پر لکھی جانے والی کتابیں بھی ناقابل شمار ہیں۔اس لحاظ سے اگر مسلم تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو پوری تاریخ کتاب وقلم کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

مسلمانوں کے نظریۂ تعلیم میں علم برائے تعمیر انسانیت کا جوہر پایا جاتا تھا۔اُن کے نزدیک علم کے پڑھنے پڑھانے کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ انسانی کمالات کو زیادہ سے زیادہ فروغ حاصل ہو۔اُن کا نظام تعلیم انسان کی مادی اور معاشی ترقی سے زیادہ اُس کے باطنی اور روحانی ارتقاء کی اساس پر قائم تھا۔یہی وجہ ہے کہ مسلمان کبھی بھی ایسی ایجادات اور اختراعات کے راستے پر نہیں چلے،جن کا تعلق فلاح انسانی سے کم اور مال ودولت اور مادی طاقت کے حصول سے زیادہ ہو۔بلکہ اُنکو اُن ایجادات سے دلچسپی تھی جو انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے کارآمد تھیں۔جیسے علاج معالجہ،

ادویہ سازی اور سرجری وغیرہ اس کے برخلاف علم کا یہ ہتھیار جب اہلِ مغرب کی دسترس میں آیا تو اُنہوں نے سب سے پہلے اس کا رشتہ مذہب وروحانیت اور بعدازاں انسانی فلاح وبہبود سے منقطع کردیا۔حتیٰ کہ انتہائی مہلک اور تباہ کن ہتھیاروں کی دوڑ میں دنیا کو مشغول کردیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج کی جدید دنیا میں علم زیادہ سے زیادہ مادی دولت وقوت حاصل کرکے اقوامِ عالم پر غلبہ پانے کا محض ایک ٹول بن کررہ گیا۔جس کا انسانی کردار،اخلاق،تعمیر شخصیت اور اصلاح معاشرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مغرب کے ہاتھوں علم کی اس کایا پلٹ نے سب کچھ پلٹ کر رکھ دیا اور دنیا پر ایسا نظام تعلیم مسلط کردیا جسکا موضوع انسان نہیں بلکہ مادہ اور مشین ہے۔گویا انسان کی حاکمیت کا دور چلا گیا اور مادیت ومیکانکیت (Materialism and Machanism) کی حاکمیت کا دور شروع ہوگیا۔اسی لیے شاعرِ مشرق نے بہت پہلے فرمادیا تھا۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

مادیت اور میکانکیت کے غالب آجانے کی وجہ سے ایک طرف مذہبی ڈسکورس کو خطرات لاحق ہوگئے تو دوسری طرف تمام انسانی اور معاشرتی علوم (Human and Social Sciences) غیرضروری اور لایعنی ہوکررہ گئے ہیں۔

تخلیق وایجاد اور صنعت سازی کا علم یقیناً کیش ویلیو (Cash value) کا حامل ہے۔انسان اپنی معاشی اور مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اُس کا محتاج بھی ہے۔نیز دنیا کی دیگر اقوام سے مقابلہ کرنے اور بین الاقوامی سطح پر آگے بڑھنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس علم کو فروغ دیا جائے۔بلاشبہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کا جال بچھادینا وقت کا تقاضا تھا۔مگر دوسری طرف مذہبی اداروں کا نقصان اور مذہبی اور انسانی علوم کی تحدید یا خاتمہ بھی عالم انسانیت کی تباہی اور خودکشی سے کسی طرح کم نہیں ہے۔دورِ جدید کا یہی وہ سب سے بڑا چیلنج ہے جس سے نمٹنا سارے انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔

اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے برصغیر میں جو شخصیت سب سے پہلے میدان میں اُتری وہ سر سید احمد خان ہیں۔ مگر افسوس کہ انہوں نے جو راستہ اختیار کیا اُس پر ذہنی غلامی، فکری مرعوبیت اور احساسِ کمتری کی گرد چھائی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے مغربی تصورِ علم کو اسلامی بنانے کی بجائے، اسلامی علوم کو مغربی طرزِ فکر میں ڈھالنے کی روایت قائم کردی۔ وہ اپنی بے بصیرتی اور ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے مشرقی علوم پر، مغربی علوم کی اور مذہبی ڈسکورسز پر مادی ڈسکورسز کی برتری کے پوری طرح قائل تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کا نظامِ تعلیم ہمیشہ کے لیے دو دھاروں میں بٹ کر رہ گیا۔ اور لوگوں نے مذہبی علوم اور دینی مدارس کو بالکلیہ غیر اہم اور غیر ضروری قرار دے دیا۔

اہلِ مغرب اور مغربی طبقۂ فکر کی ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے کہ دینی نظامِ تعلیم کا خاتمہ کر دیا جائے۔ مدارس دینیہ کو یا تو بالکل ختم کر دیا جائے یا پھر اُنہیں اسکولز اور کالجز کی طرح بنا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی بلا امتیاز دینی مدارس کے فنڈز پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں اور کبھی اُنکے نصابِ تعلیم پر خوامخواہ اعتراضات اُٹھائے جاتے ہیں۔ ہم اس قسم کے بلا جواز اقدامات کو مغرب سے اُٹھنے والی اسلام دشمنی کی لہروں کا براہِ راست اثر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ سطورِ سابقہ میں ذکر کیا گیا کہ پوری اسلامی تاریخ میں کوئی ایک دور بھی ایسا نہیں ملتا کہ جس میں مدارس کا وجود نہ پایا گیا ہو۔ اور نہ کوئی ایسی مثال ہمیں نظر آتی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے ظالم بادشاہ نے بھی کبھی دینی مدارس کو ختم کر دینے کی بات کی ہو۔ بدقسمتی سے یہ عمل سب سے پہلے برٹش دورِ حکومت میں سر سید احمد خان کی تحریک کے نتیجے میں شروع ہوا تھا۔

نظامِ تعلیم کی اصلاح:

ہمارے ملک میں حساس موضوعات پر ہمیشہ گنگا کو الٹی سمت میں بہانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہر مسئلہ کو خوامخواہ مسئلہ کشمیر بنا دیا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہر ادارے میں ایسے لوگ ضرور موجود ہیں جو دو کشتیوں کے سوار ہیں۔ وہ مسلمان تو کہلانا چاہتے ہیں مگر دینی اقدار کا فروغ نہیں چاہتے۔ اس لیے اُنکے اصلاحی پروگرام کا سارا زور دینی مدارس کی طرف

متوجہ رہتا ہے۔ حالانکہ اصلاح کی زیادہ ضرورت وہاں ہے جہاں دینی تعلیم کا فقدان ہے۔ ایک مسلمان کا بچہ میٹرک، انٹر یا گریجویشن اور ماسٹر کر کے باہر آتا ہے اُسے اپنے عقائد اور دینی احکام کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ وہ اپنے دینی عقائد سے جاہل اور شرعی آداب و اخلاق سے ناواقف ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے تعلیمی اداروں میں اعتقادی اور عملی سطح پر تباہی مچی ہوئی ہے۔ منشیات کا استعمال، جنسی بے راہ روی اور سب سے بڑھ کر الحاد و بے دینی کے رُجحانات پھیل رہے ہیں۔ اگر آج ان برائیوں کی روک تھام نہ کی گئی اور اصلاح احوال پر توجہ نہ دی گئی تو آنے والے کل میں یہ خرابیاں خدانخواستہ پوری قوم کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہونگی۔ مگر افسوس کہ ہمارے قومی راہنماؤں کو اس کے بجائے صرف مدارس دینیہ کی فکر دامن گیر ہے۔ حالانکہ مدارس کے نظام میں اگر کمی ہے تو صرف اس بات کی کہ وہاں جدید مضامین نہیں پڑھائے جاتے۔ جدید مضامین کی اہمیت سے انکار نہیں ہے۔ اہل مدارس کے ساتھ ہمدردانہ طریقے سے بات چیت کر کے اس کا کوئی لائحہ عمل تیار کیا جاسکتا ہے۔ اصل مسئلہ جدید تعلیمی اداروں اور جدید نصاب تعلیم کا ہے۔ جس پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اُسکی واحد صورت یہی ہے کہ تمام سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی اداروں میں بنیادی عقائد، فرائض و واجبات، اسلامی اخلاق و آداب اور حلال وحرام کے ضروری مسائل کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو ہم نہ صرف دونوں قسم کے نظام ہائے تعلیم کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلہ کو کافی حد تک کم کرسکیں گے بلکہ ایک صالح اور باکردار معاشرہ کی بنیاد رکھنے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ نیز آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بھی اپنے آپ کو بچالیں گے۔

دینی مدارس کے اغراض و مقاصد:

ہر ادارہ کسی نہ کسی مقصد کے تابع ہوتا ہے۔ نیز اُس ادارے میں رائج نظام اُس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وضع کیا جاتا اور حرکت میں لایا جاتا ہے۔ تمام تعلیمی ادارے اسی اصول کے تحت مصروفِ عمل ہیں۔ میڈیکل کالجز ڈاکٹر تیار کرنے کے لیے ہیں۔ انجینئرنگ کے ادارے انجینئرز تیار کرتے ہیں۔ لاء کالجز لائیرز بنانے کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ زرعی یونیورسٹیاں

زراعت کے ماہرین فراہم کرنے کا بیڑہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ آئی۔ ٹی کے شعبوں کا کام آئی۔ ٹی اسپیشلسٹ پیدا کرنا ہے اور عسکری اداروں کے پیشِ نظر عسکری اور جنگی صلاحیتوں سے آراستہ جوان تیار کرنا ہے۔ غرض اسی پر قیاس کرتے چلے جائیں، پوری دنیا میں آپ کو یہی پیٹرن نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ مدارس دینیہ بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

دینی مدارس کا نظام بھی کچھ خاص مقاصد حاصل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ان مقاصد کو جاننا ہمارے لیے ضروری ہے جب تک وہ مقاصد ہمارے پیشِ نظر نہیں ہونگے ہم جہالت کی بنیاد پر دینی مدارس کے بارے میں بے تکے سوالات اور اعتراضات اُٹھاتے رہیں گے۔ مثلاً دینی مدارس کا مقصد کیا ہے۔ یہ معاذ اللہ جہالت کی فیکٹریاں ہیں، ان مدارس سے آخر ڈاکٹر، انجینئر، لائیرز اور پروفیسر تیار کیوں نہیں ہوتے وغیرہ وغیرہ۔

وہ مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ملک میں ایسے علمائے دین تیار کرنا جو قرآن وسنت سے متعلق ضروری علم کے حامل ہوں اور جن کے ذریعے عامۃ المسلمین کو شریعت کے معاملہ میں رہنمائی میسر آسکے۔ نیز وہ مختلف مساجد میں جا کر امامت وخطابت کے ذریعے یہ فریضہ انجام دے سکیں۔

۲۔ افتاء وقضا کے منصب پر فائز ہو کر فتاویٰ وقضایا کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے انجام دینے والے علماء کی تیاری۔

۳۔ دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے مضامین کی تدریس کے لیے لائق فائق اساتذہ تیار کرنا، نیز اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں دینی وشرعی مضامین پڑھانے کے لیے اساتذہ کی فراہمی کو یقینی بنانا۔

۴۔ تصنیف وتالیف اور تحقیق کے میدان میں کام کرنے والے مصنف ومحقق تیار کرنا تاکہ دینی تعلیمات کو بحفاظت اگلی نسلوں تک منتقل کیا جاسکے جس طرح کہ ہم سے پہلے علماء نے اپنی تصنیفات اور تحقیقات کے ذریعے دین کو ہم تک پہنچایا ہے۔

۵۔ عقائد حقہ کے خلاف سر اُٹھانے والے فتنوں کا مقابلہ کرنا اور اُن سے نبرد آزما ہونے

کے لیے مناظرین ومجادلین اور مباحثین کی فوج تیار کر کے میدان میں اُتارنا۔

٦۔ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ مثلاً یہود و ہنود اور نصاریٰ وغیرہ کو دین حق کی دعوت دینے اور اُن کے شکوک وشبہات کو رفع کرنے کے لیے مبلغین اسلام تیار کرنا۔

ان کے علاوہ بہت سے ذیلی اور ضمنی مقاصد بھی ہیں جو کسی بھی مسلم سوسائٹی کی دینی، شرعی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پیش آتے رہتے ہیں۔

ان تمام اغراض ومقاصد کا ایک مرتبہ اور جائزہ لیجئے اور ٹھنڈے دل سے غور کر کے اپنے آپ سے پوچھئے کہ کیا ان مقاصد کو حاصل کیے بغیر ہمارا دین زندہ رہ سکتا ہے؟ اور دین پر ہونے والے حملوں کو روکا جاسکتا ہے؟ اور کیا ان مقاصد کے بغیر دین حق کے پیغام کو کافر اقوام تک پہنچایا جاسکتا ہے اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کو ہم یہ دین بحفاظت منتقل کر سکتے ہیں؟

اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر دینی مدارس کو غیر اہم سمجھنا اور اُس پر خواہ مخواہ اعتراض اُٹھانا کہاں کا انصاف ہے۔ اہل اسلام کا فرض تو یہ ہے کہ اپنے دین کی بقا اور استحکام کے لیے دینی مدارس کے قیام، انتظام اور دیکھ بھال میں پوری توجہ صرف کریں۔ اور اگر اُن میں کسی خامی یا کمزوری پر مطلع ہوں تو ہمدردانہ طور پر اُسکی کی اصلاح کی طرف توجہ دلائیں۔ تاکہ بحثیت مجموعی ہم اپنے اس اجتماعی فریضہ سے عہدہ برآ ہوسکیں۔

مدارس دینیہ کا نصاب اور اساتذہ:

دینی مدارس کے نصاب کے حوالے سے بھی بڑا کنفیوژن پایا جاتا ہے۔ لوگ عام طور پر اسکولوں کے نصاب KG-1 سے لے کر میٹرک، اسی طرح O Level اور A-Level اور آکسفورڈ اور کیمبرج وغیرہ کے بارے میں تو بہت کچھ جانتے ہیں لیکن اگر نہیں جانتے تو دینی مدارس کے نصاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور درس نظامی کا نام سنتے ہی سوالیہ نشان بن جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ دینی مدارس کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ یہ کسی یتیم خانہ کی طرح ہوتے ہیں۔ جہاں صرف یتیم اور مسکین بچوں کی کفالت کی جاتی ہے۔ کئی ایسے بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ

یہاں صرف ناظرہ قرآن شریف یا حفظ کی تعلیم دی جاتی ہے اور بس۔ایک خیال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ دینی مدارس میں صرف وہی چیزیں پڑھائی جاتی ہیں جو عام طور پر مذہبی **اسٹیجز** پر نظر آتی ہیں۔ مثلاً قصے، کہانیاں، واقعات وحکایات اور دین کے عام فہم مسائل، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص قصے کہانیاں پڑھ کر یا اُردو کی چند کتابوں سے مسائل یاد کرکے اُن کو لوگوں کے درمیان بیان کرنا سیکھ لیتا ہے تو وہ اپنے آپ کو باقاعدہ عالم دین اور مفتی سمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال دینی مدارس کے نصاب تعلیم سے متعلق یہ وہ غلط فہمیاں ہیں جن کی وجہ سے لوگ عام طور پر ان مدارس کی ضرورت واہمیت سے غافل ہیں یا پھر اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں، یادرکھیں کہ دینی مدارس کا مروجہ نصاب جو آٹھ یا نو سال پر مشتمل ہے یہ دینِ اسلام کو علمی اور فنی طور پر بھرپور طریقے سے سمجھنے کے لیے ایک مکمل نصاب ہے۔ یہ وہی نصاب ہے جس کو پڑھ کر ہماری تاریخ میں بہت سے لوگ مجدد، محقق، فقیہ، علامہ اور مبلغ بن کر نکلے ہیں۔اس نصاب کا مقصد دین کے اصول ومبادی کی تفہیم،قرآن و حدیث کے فرمودات کی تشریح،فقہی احکام اور مسائل دینیہ کی تعلیم،تفریعات شرعیہ کے استنباط و استدلال کے قواعد وضوابط،قیاس کرنے کے طریقے،اجماع کی صورتیں اور اُن کے احکام،اختلافِ مذاہب کا بیان، نیز عربی زبان وادب،لغت ومحاوراتِ عرب کی تعلیم اسالیب بیان،شعروشاعری اور منطق وفلسفہ کے اصول وقواعد میں دسترس بہم پہنچانا ہے۔

ان تمام مضامین کا احاطہ کرنے کے لیے جو علوم وفنون زیر بحث آتے ہیں، وہ یہ ہیں۔

۱۔ علم الصرف	۲۔ علم النحو	۳۔ علم اللغۃ والاشتقاق
۴۔ علم المعانی	۵۔ علم البدیع	۶۔ علم الادب
۷۔ علم الشعر	۸۔ علم التفسیر	۹۔ علم اصول التفسیر
۱۰۔ علم الحدیث	۱۱۔ علم اصول الحدیث	۱۲۔ علم الفقہ
۱۳۔ علم اصول الفقہ	۱۴۔ علم المیراث	۱۵۔ علم المناظرہ
۱۶۔ علم الکلام	۱۷۔ علم المنطق	۱۸۔ علم الفلسفہ وغیرہ

درس نظامی کے علاوہ دنیا میں شاید ہی کوئی دوسرا نصابِ تعلیم ایسا ہوگا جو بیک وقت اتنے

علوم وفنون پر محیط ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نصاب کو پڑھنے اور پڑھانے کے لیے بہترین ذہانت اور اعلیٰ صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ کند ذہن اور غبی لوگوں کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس کا حق ادا کرسکیں۔جن اساتذہ کے ذمہ متعلقہ کتابیں ہوتی ہیں اگر وہ ذمہ دار اور فرض شناس ہیں تو ہر کتاب کو پڑھانے سے پہلے گھنٹوں بیٹھ کر اُس کا مطالعہ کرتے ہیں۔اُس کی دقیق اور پیچیدہ ابحاث کو سمجھ کر پہلے وہ خود ذہن نشین کرتے ہیں اور پھر طلباء کو پڑھاتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا علم نہیں ہے کہ جسے رٹی رٹائی تقریر یا یاد کیے ہوئے لیکچر کے ذریعے پڑھا دیا جائے۔ یہاں کتاب کے گویا ایک ایک لفظ سے چمٹ کر چلنا ہوتا ہے اور ہر ہر جملہ کی تشریح کرنی پڑتی ہے۔محض ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ مذکورہ علوم کے اصول ومبادی کی طرف بار بار لوٹ کر کتاب کو سمجھانا پڑتا ہے۔ نیز اس پر وارد ہونے والے اشکالات کو حل کیا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس طرح کی تدریس بغیر تیاری کے ممکن نہیں ہے اور یہ تیاری اُسی صورت میں ممکن ہے کہ تدریس سے پہلے مدرس گھر میں کئی گھنٹے بیٹھ کر روزانہ بلا ناغہ مطالعہ کرے۔ اتنی محنت اور اتنا وقت اور دماغ کھپانے کے باوجود ان مدرسین اور اساتذہ کو عام طور پر جو مشاہرہ ملتا ہے وہ بارہ سے پندرہ یا پچیس سے تیس ہزار روپے ہوتا ہے۔ہم دعوے سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اگر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور پروفیسروں پر اس قدر مشاہرہ کے ساتھ اتنا بوجھ لاد دیا جائے تو تمام کالجز اور جامعات دوسرے دن ہی بند ہوجائیں گے۔اور وہاں ایک آدمی بھی پڑھانے کے لیے دستیاب نہ ہوگا۔اور کالج و یونیورسٹی ہی کی کیا مثال یہاں تو دین کے نام لیوا بہت سے خطیب، نام نہاد پیر، پیشہ ورنعت خوان اور قوالوں کو بھی اگر منہ مانگی اجرت نہ ملے اور اُن پر نوٹوں کی بارش کا سلسلہ بند ہوجائے تو اُن کا جوش وخروش اور عشق ومستی بھی چند دنوں میں کافور ہوتا نظر آئیگا۔

یاد رکھیں دین کی اصل حفاظت انہی علماء کے ذریعے سے ہورہی ہے، جو دین کی بعینہ تعلیم دے رہے ہیں اگر یہ معلمین نہ ہوں تو دین وشریعت کے محفوظ رہنے کی کوئی ضمانت ہمیں میسر نہیں آسکتی۔اسی لیے احادیث میں معلمین کے بڑے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

کسی بھی مہذب معاشرے میں معلم کا مقام ومرتبہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہمارے

دین میں بھی معلم کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔علمائے دین فرماتے ہیں کہ معلم کا مقام ماں باپ اور پیرومرشد سے بھی زیادہ ہے۔اس لیے کہ ماں باپ صرف جسمانی نشوونما کرتے ہیں اور پیر ومرشد طریقت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ معلم شریعت سکھاتا ہے۔اور شریعت جسمانیت اور طریقت دونوں سے افضل ہے۔یہی وجہ ہے کہ معاشرہ میں معلم کی ذمہ داری بھی سب سے زیادہ ہے۔کہتے ہیں کہ آدمی دنیا میں دومرتبہ جنم لیتا ہے،ایک اپنے ماں باپ سے اور دوسرا معلم کے ہاتھ سے۔اس لیے دنیا میں کہیں کا بگڑا ہوا معلم کے ہاتھوں سدھر سکتا ہے،مگر معلم کے ہاتھوں جو بگڑ جائے اُس کی اصلاح کسی کے ہاتھ سے نہیں ہوسکتی۔لہٰذا معلمین کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ضروری ہے۔جسے اللہ تعالیٰ نے یہ منصب عطافرمایا ہے وہ ہرگز اس کو ہلکا نہ سمجھے۔اُسے دنیا کی سب سے بڑی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔اکبرالہٰ آبادی نے کہا تھا۔

ہوئے جب بے یقیں یہ خود تو وہ کیا مذہبی ہونگے
اثر پڑتا ہے شاگردوں پر استادوں کے باطن کا

ایک اہم گزارش:

آخر میں دینی مدارس کے مہتممین، منتظمین اور کارپردازان سے یہ گزارش ہے کہ وہ دستیاب وسائل کو بروئے کار لاکر اور اللہ رب العزت کی عطا کردہ حکمت وصلاحیت سے کام لے کر اپنے حصے کا کام انجام دیں۔جو چاردیواری آپ کو میسر ہے اور جو وسائل آپ کو مہیا ہیں وہ اللہ کی اور اُس کے بعد قوم کی امانت ہیں۔اُن سے جائز حد تک نفع اُٹھانا اور باقی کو تعلیم وتعلم کے سلسلوں کے لیے وقف کردینا آپ کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔آج کے دور میں جو کچھ بھی میسر ہے وہ غنیمت ہے۔شاید کل یہ بھی نہ رہے۔اس امانت میں خیانت اور اپنے فرائض میں کوتاہی دین کی بڑی تباہی اور قیامت کے دن بڑی رسوائی ہے۔زکوٰۃ،فطرہ،قربانی کی کھالیں اور دیگر عطیات کی صورت میں حاصل ہونے والی رقوم کا ہم پر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ہم اس پیسے کو ادارہ کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں۔جو بچے دور ونزدیک سے ہمارے پاس پڑھنے کے لیے آتے ہیں،اُنکی قدر کریں۔اُن

کے لیے قابل اساتذہ، صاف ستھرے ماحول اور ممکنہ سہولتوں کا انتظام کریں۔ہمیں یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ یہی بچے کل ہماری جگہ پر ہونگے۔آج ہم ان کے ساتھ جیسا کریں گے یہ کل اُسی کو دہرائیں گے۔ یہ مستقبل کے معمار اور دین کے محافظ ہیں۔ہمیں کیا معلوم کہ ان میں سے آنے والے کل میں کوئی مفتی بن کر نکلے گا، کوئی اسکالر، کوئی شیخ الحدیث، کوئی استاد اور کوئی اپنے وقت کا لیڈر۔لہٰذا ان کی بہترین تعلیم اور شاندار تربیت ہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت اور دین کی سب سے بڑی خدمت ہے۔اُن کی جہالت کو علم سے بدلنا، اُن میں صلاحیت کا جوہر پیدا کرنا، ان کے اخلاق وکردار کو سنوارنا، ان کے دلوں میں خوف خدا اور احساس ذمہ داری پیدا کرنا، ان کو ایسا ماحول مہیا کرنا جس میں اُن کے اندر سے شخصیت پرستی اور ذہنی غلامی کے اثرات زائل ہوجائیں اور اُس کی جگہ علوم وفنون کی آفاقیت اُن پر چھا جائے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن میں بغیر لالچ کے دین کی خدمت کا سچا جذبہ پیدا ہوجائے، یہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ ان کے لیے دین کا سچا درد رکھنے والے، وسیع الذہن، محنتی اور قابل اساتذہ کا تقرر کیا جائے اور اُنہیں اُنکی محنت وصلاحیت کے مطابق معقول مشاہرہ دیا جائے۔

مشاہدہ کی بات ہے کہ جس نے بھی اس جذبہ کے ساتھ تھوڑی یا زیادہ کوشش کی ہے، خدا کے فضل اور رسول پاک (ﷺ) کی عنایت نے اُس کا ہاتھ ضرور تھاما ہے اور وہ ناگفتہ بہ حالات کے باوجود دین متین کی خدمت انجام دیتا رہا ہے۔آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کے اداروں اور اُن کے مدیران، معلمین، معاونین اور مخلصین کی مدد فرمائے اور ہر شر سے اُنہیں محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ النبی الامین الکریم۔

الحمد للہ

قران وسنت کی تعلیم کی مرکزی درسگاہ! جہاں مقامی طلباء کی خاطر خواہ تعداد کے ساتھ ملک کے طول وعرض سے آئے ہوئے مقیم وغیر مقیم طلباء، جید علماء واساتذہ کی زیرنگرانی دینی واخلاقی تعلیم وتربیت حاصل کررہے ہیں۔

ادارہ میں مختلف شعبہ جات کے تحت دین کی خدمت کا کام جاری ہے۔

شعبہ درس نظامی (عالم کورس)، شعبہ نشرواشاعت کے علاوہ انگریزی وعربی بول چال اور ابتدائی کمپیوٹر کورسز بھی کروائے جاتے ہیں۔ ادارے میں اس وقت تقریباً تین سو طلباء زیر تعلیم ہیں۔

مخیر حضرات کی توجہ کیلئے چند بڑے بڑے مصارف ذیل میں دیئے گئے ہیں۔
آپکا تعاون ادارہ کی مزید ترقی اور دینی خدمات کے فروغ کا باعث بن سکتا ہے۔

تفصیل	ماھانہ	سالانہ
ایک مقیم طالب علم کا خرچ	=/5,000 روپے تقریباً	60,000 روپے
ایک غیر مقیم طالب علم کا خرچ	=/2,000 روپے تقریباً	24,000 روپے
حافظ بننے والے بچے کا ماہانہ خرچ	=/1,000 روپے تقریباً	12,000 روپے
ماہانہ گیس بل	=/30,000 روپے تقریباً	3,60,000 روپے
ماہانہ بجلی بل	=/60,000 روپے تقریباً	7,20,000 روپے
ماہانہ راشن (علاوہ گوشت)	=/1,50,000 روپے تقریباً	18,00,000 روپے

جامعہ انوار القرآن

گلشن اقبال بلاک 5، کراچی فون: 021-34961878